جعفر بلوچ کی اُردو غزل(بہ حوالہ تصوُّرِ مرگ وحیات)

ڈاکٹر صائمہ شمس

ایسوسی ایٹ پروفیسر: اُردو گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین گلبرگ،لاہور

Abstract:

In this article, Jaffer Balochs concept of life and death in Urdu ghazal has been examined and salient features of this concept have been explored. His life and poetry represent high values of life. He is convinced of purity of life and the myjesty of death. His Urdu ghazal is composed of warmth, sincerety and determination.

Keywords:

جعفر بلوچ (Jaffer Baloch)، تہذیب (Tahzeeb)، مقامِ رجاء (Mukaam-e-Reejah)، سیاہ وسفاک (Seyah-o- Safaak)، عصری مسائل (Asreei Masail)، زندگی (Zandgi)۔

جعفر بلوچ کی اُردو غزل، عصرِ نو کے اُس مزاج کے خلاف ایک ردِّ عمل ہے، جس کی رُو سے "کوتاہی عمل" کو "بیانات" میں ڈھالنے کا رواج جڑ پکڑ چکا ہے۔ بزمِ زیست میں بظاہر خاموش طبع شاعر نے زندگی کو سطحی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ جُہد و مشقّت کی بھٹّی میں خود کو تپایا ہے۔ کتابِ حیات کا خصوصی اور عمیق مُشاہدہ کرنے والے اس دارِس نے ایک عام شخص کی حیثیت سے عُمر گزاری اور ضبط و محنت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔(۱)

> "اپنا ذاتی مکان انہوں نے اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر خود تعمیر کیا ہے۔ مکان کی بُنیادیں خود کھو دیں۔ مصالحہ خود تیار کیا، اپنے ہی مزاج کا ایک نیک دل راج تلاش کیا اور اسے اینٹیں چُننے پر لگا دیا۔ باقی تمام ہفت خواں خود طے کئے، عِشق بن یہ "ہنر" نہیں آتا۔ انھیں محنت اور کام سے عشق ہے اور ان کے شوق کی بلندی ان کی ہمت کو بھی بلند کر دیتی ہے۔"

اسی لئے ضبط و حوصلہ کی نعمت سے محروم اور شتاب پسند طبائع کے حامل افراد کو صیغہ واحد متکلّم کے پردے میں تنبیہ بھی کرتے ہیں اور مصائبِ حیات میں اضافے کی پیش بینی بھی۔ تہذیب کے نام پر "وفا کا خون"، "قریہ ءجاں پر پے در پے وار" اور مصلحت کے نام پر مفاد پرستی، غلط نمائی اور غلط بینی میں شاعر اپنا فرض نبھائے جارہا ہے۔

مٹا مٹا کے لکھا حرفِ داستانِ حیات　　مری شتاب پسندی سے کام پھیل گیا (۲)

ہم جسے فرض سمجھتے تھے وہی جنسِ وفا آج کے عصرِ مہذّب میں رواہی نہ رہی (۳)

ہم پر ہے فرض معدلتِ خیر و شر کی بات کرتے رہیں گے تیرہ شبی میں سحر کی بات(۴)

جعفر بلوچ کو عہد حاضر میں، آدمیت پر ابلیس کے تصرّف کا حد درجہ افسوس رہاہے۔وہ انسان میں انسان پناہی کی صفت، معدوم ہو جانے کے غم سے بھی دو چار ہیں۔"اغراض کی دیمک"نے خُلق کو مٹی میں ملا دیا اور "رشتے برادہ" کر دیے ہیں۔ آج بھی ترقی کی ہزار ہا منازل طے کرنے کے باوجود "زمین سخت" ہے اور "آسمان پرے"۔"حواسِ دیدہ وراں" پر وہ سراسیمگی طاری ہے کہ خوف، شش جہت میں پھیلا ہُوا ہے۔صرف شاعر ہی نہیں بلکہ جیسے ہم سب حقیقت میں جینے کی ذمّہ داریاں نبھانے کے لئے جینے کا ڈھونگ رچانے کے مکلّف ہوں۔اسی لئے کہتے ہیں کہ :

حیات و موت کے سنگم پہ جی رہے ہیں ہم ہمارا جشنِ طرب بھی غم التزام رہا (۵)

ہستی پہ قفس کا ابھی اطلاق وہی ہے جاتا ہوں جدھر حلقہء آفاق وہی ہے(۶)

کتابِ زندگی اب نقش فریادی کی صورت ہے ورق اس کے دریدہ، خط شکستہ، حاشیہ ٹیڑھا(۷)

لیکن شاعر انسان سے مایوس نہیں۔وہ جانتے ہیں کہ انسان کی ذات میں اہر من کے ساتھ یزدانی اوصاف کا پرتو بھی ہے۔یہی شاعر کا مقامِ رجاء ہے کہ خدائی صفات کو بُروئے کار لا کر عہدِ حاضر کی موجودہ صورت حال سے نبرد آزمائی کی جاسکتی ہے۔شاندار ماضی کے احیاء اور وابستگی سے قلم اور قدم کو وقت کی آواز سے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے اور نزاکتِ حیات کو ہوش مندی و کشادہ دِلی سے سنبھالا جاسکتا ہے۔جعفر بلوچ کی اُردو غزل سے چند منتخب اشعار اسی عزم کا مظہر ہیں۔

کشادہ ذہن و دِل و گوش کی ضرورت ہے یہ زندگی ہے یہاں ہوش کی ضرورت ہے(۸)

زیست کو تاریخ زریں کے حسیں انداز دو اپنے ماضی کے سنہری دور کو آواز دو(۹)

جگاتے جاگتے رہنا ہے میرا فن جعفرؔ میرا قلم ہے ہم آہنگِ جرس کے لئے(۱۰)

مدارِ شعر بناتا ہوں زیست کو جعفرؔ اگرچہ زیست کا اشعار پر مدار نہیں(۱۱)

درج بالا حقائق و شواہد سے قاری اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ مُعاملہ خواہ طرزِ زیست کا ہو یا تجربہ غزل کا، جعفر بلوچ کے ہاں نظریہ و عمل میں ایک امتزاج ملتا ہے۔ انھوں نے زندگی اور غزل کو باہمی تعلق کے حوالے سے پیش کیا ہے اور زندگی کی معونیت کو غزل کے تجربے میں ڈھالا ہے۔

جعفر بلوچ کا شمار عہد جدید کے ان نابغین میں ہوتا ہے جنھوں نے ادب اور زندگی کو ہم معنی بنایا۔ انھوں نے نظری اور عملی ہر سطح پر شعر و ادب کو زندگی کے لئے مفید بنانے کی سعی کی"۔(۱۲)

شاعر نے زندگی کی معونیت اور افادیت کو صلے سے بے نیازی میں تلاش کیا ہے۔ "ناتمامی" کو اصلِ حیات مان کر مُسلسل سفر حیات پر گامزن رہنے کا درس دیا ہے۔ سفر کا "علامتِ ہستی" اور "دلیل حیات" ہونا، شاعر کا "جادۂ ہستی پہ رواں ہونا" مسلسل چلنے والوں کے لئے صبحِ برہان و نظر کا راہنما ہونا اور نوید سحر دینا، جعفر بلوچ کے تصوّرِ حیات کی اساس ہے۔

سفر علامتِ ہستی، سفر دلیلِ حیات خوشا وہ لوگ سفر جن کا نا تمام رہا (۱۳)

جب سے میں جادۂ ہستی پہ رواں ہوں جعفرؔ صبحِ بُرہان و نظر راہنما ہے میری (۱۴)

مُسلسل چلنے والوں کو خبر ہے بس اِک شب کی مُسافت پر سحر ہے(۱۵)

شاعر نے زندگی اور عہد کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ "دشتِ غمِ ہستی" سے گزر کر "حوصلہءِ دِل" کو آزمایا ہے، تیرہ شبی میں سحر کی بات کی ہے، سیاہ و سفّاک رات میں جھلملاتے ستاروں کے بیاضِ خورشید میں ڈھلنے کی نوید دِی ہے اور "خوفِ جاں" میں بھی سچ بولنے کی روایت کو زِندہ رکھا ہے۔(۱۶)

"ان کی غزل زندگی اور زمانے کے بارے میں ان کے متوازن نقطہء نگاہ کی نمائندگی کرتی ہے۔ حرکت، حرارت، رجائیت، حقیقت پسندی اور کھرا پن ان کی غزل کی نمائندہ خصوصیات قرار دی جاسکتی ہیں"۔

گرم جوشی، اخلاص اور کھرا پن جعفر بلوچ کی شخصیت اور فِکر کے خصائص ہیں۔ وہ ہر اُس مصلحت اندیشی سے بیزار ہیں جو اعلیٰ انسانی اقدار کو دُھندلا دے۔ منفی اقدار کی طرف مائل معاشرے کے حامل شاعر نے اپنی غزل کو زندگی کی تعمیری قدروں کی تقویّت کا ترجمان بنایا ہے۔ ان اقدار کے برعکس، متضاد و منفی اعمال اور رویّوں میں "بے ضمیری" اور "خود فروشی" کو ناپسندیدگی کی نِگاہ سے دیکھا ہے۔ جعفر بلوچ نے انسان کی بے ضمیری کے مُقابلے

میں خود کشی کو ایک بہتر انتخاب بتا کر دورِ حاضر کی خود فروشی پر گہری چوٹ کی ہے اور اپنے عہد کی ''حشر سامان'' زندگی سے موت کو بہتر قرار دیا ہے۔ درج ذیل منتخب اشعار میں شاعر کا استفہامیہ انداز اُسے سراپا سوال بنا رہا ہے۔

یہ بات کہہ کے فنا ہو گیا ہے پروانہ　　کہ خود کشی کہیں بہتر ہے خود فروشی سے(۱۷)

کہا خوش آمدید اہلِ جنوں نے موت کو بڑھ کر　　حیاتِ حشر ساماں پر کسے اصرار ہونا تھا؟(۱۸)

اگر حیات ہے اِک شکل موت کی جعفرؔ　　تو خود کشی کے لیے زہر کیوں پیا جائے(۱۹)

بات سچی ہے مگر اظہار کی جُرأت نہیں　　زندگی کو مت کا نعم البدل کیسے کہوں؟(۲۰)

چھِڑ گیا کیسے مکافاتِ عمل کا سلسلہ　　موت سے پہلے ہی یہ محشر کہاں سے آگیا؟(۲۱)

برائی کی زندگی کے مقابلے میں موت کی ترجیح، عظیم یونانی فلسفی سُقراط کے تصورِ حیات و ممات کی رُوحِ رواں سے اور اخلاقی اقدار کے استحکام کی جدّوجہد پر حیَاتِ انسانی کی اساس بھی ہے۔ اسی لیے سُقراط نے جہاں انصاف، صداقت اور نیکی کی ایجابی اہمیت سے روشناس کیا وہاں ناانصافی، جھوٹ اور بدی کی بھرپور مذّمت کی ہے۔ ناموافق حالات میں بھی زندہ رہنا، آلام میں خود کشی نہ کرنا اور ہر حال میں زندہ رہنے کو ترجیح دینا، موت کے روز ہشاش بشاش رہنما اور راہِ فرار اور معافی کے اختیار کے باوجود موت کو بخوشی گلے لگانا، سقراط کو زندگی اور موت کی ایک لازوال مسرّت سے ہم آغوش کرتا ہے۔ جعفر بلوچ کے تصوّرِ مرگ و حیات میں بھی یہ پرچھائیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ زندگی کے آخری لمحات میں جعفر بلوچ کو بھی آکسیجن ماسک کے زیر و بم میں پرُعزم دیکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی ہو یا موت، دونوں کے لیے جذبِ درُوں کے قائل رہے۔ ان کے لیے ''زندگی کی عظمت'' کا راز جذبہء عمل میں ہے، یہ عمل معاشرے کی قبیح رُسوم کے خلاف ہو یا اِصلاحِ مُعاشرہ کے لیے اُٹھائے جانے والے اقدامات کا یا پھر اہل زر کو مثبت قدروں کے پرچار سے زیر کرنے کی کوششوں کا۔ بعینہٖ شاعر کے لیے ''موت کی عظمت'' بھی ''جذبہء سُقراط'' کی مقتضی ہے۔ کہتے ہیں :

نہیں ہے جذبہء سقراط جن کے سینوں میں　　عظیم ہو نہیں سکتے وہ زہر نوشی سے(۲۲)

زندگی موت کا تعاقب ہے　　زندگی موت سے گُریز نہیں(۲۳)

گویا اخلاق پسند شاعر نے موت کا تصور، سیاسی اور سماجی برائیوں کے پس منظر اور نشاندہی کے لیے پیش کیا ہے۔ جعفر بلوچ کے ہاں :(۲۴)

"موت ایک علّت کے طور پر زندگی کے ساتھ منسلک ہے۔ لیکن یہ بعد از مرگ مستقبل کے ساتھ بھی تعلق رکھتی ہے... سب سے اہم بات یہ کہ موت تطہیر کا ایک ذریعہ ہے۔"

جعفر بلوچ ''تطہیرِ فن'' کے مؤقف پر قائم ہیں جو ان کی شخصیت، ذہنی رویّے اور تصور مرگ و حیات پر دلالت کرتا ہے۔ اس تصور کے ذریعے عصری مسائل کی پیچیدگیوں کو جعفر بلوچ نے سوالیہ اور طنزیہ پیرائے میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے غزل کی تہذیب بھی کی ہے، وہ تہذیب جس کے خواہاں اور علم بردار مولانا الطاف حسین حالیؔ تھے۔ مختصر یہ کہ شاعر نے متخالف قوتوں کے تصادم میں حیات و موت کی ''للکار'' کو پوری قوت کے ساتھ قبول کیا ہے۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ پروفیسر صابر لودھی، (۱۹۸۶ء) دیار ادب کا ایک نیا دیا، مشمولہ: اقلیم، لاہور، مکتبہ عالیہ، ص ۱۳

۲۔ جعفر بلوچ، اقلیم، ص ۵۹

۳۔ ایضاً ص ۴۸

۴۔ ایضاً ص ۵۴

۵۔ ایضاً ص ۵۶

۶۔ ایضاً ص ۵۸

۷۔ ایضاً ص ۷۷

۸۔ ایضاً ص ۵۳

۹۔ ایضاً ص ۸۵

۱۰۔ ایضاً ص ۴۷

۱۱۔ ایضاً ص ۴۳

۱۲۔ ڈاکٹر سیدؔ شبیہ الحسن (۲۰۰۹ء) مضافاتی شعر و ادب (تحقیق و تنقید)، لاہور، اظہار سنز، ص ۶۷

۱۳۔ جعفر بلوچ، اقلیم، ص ۵۶

۱۴۔ ایضاً ص ۶۶

۱۵۔ ایضاً ص ۸۰

۱۶۔ تحسین فراقی۔(۱۹۸۶ء) جعفر بلوچ اور اُن کا رنگِ سخن، مشمولہ: اقلیم، ص ۲۸

۱۷۔ جعفر بلوچ، اقلیم، ص ۸۰

۱۸۔ ایضاً ص ۸۱

۱۹۔ ایضاً ص ۹۷

۲۰۔ ایضاً ص ۶۹

❖ References:

1. Sabar Lodhi Prof. (1968), *Deyar-e-Adab ka aik Nayan Diya,* Mashmolah, Akleem, Lahore, Maktaba-e-Aliya , P 13
2. Jafar Baloch, Akleem, P 59
3. Ibid, P 48
4. Ibid, P 54
5. Ibid, P 56
6. Ibid, P 58
7. Ibid, P 77
8. Ibid, P 53
9. Ibid, P 85
10. Ibid, P 47
11. Ibid, P 73
12. Syed Shabeeh ul Hassan, Dr. (2009) Mazafati Sher-o-Adab Tehqeeq-o-Tanqeed Lahore, Izhar sons P 67
13. Jafar Baloch, Akleem, P 56
14. Ibid, P 66
15. Ibid, P 80
16. Tehseen Firaqi, Jafar Baloch aur un ka rang-e-Sukhan Mashmolah, Akleem, P 28
17. Jafar Baloch, Akleem, P 80
18. Ibid, P 81
19. Ibid, P 97
20. Ibid, P 69
21. Ibid, P 72